مولانا اعجاز الحق قدّوسی

عُلمائے سندھ

سندھ کی تاریخ سے جس قدر ہندو پاکستان کے مسلمانوں کو دلچسپی ہے، اسی قدر یہ تاریخ پردۂ خفا میں ہے کیونکہ ابھی تک سندھ کی کوئی مفصل تاریخ شائع نہیں ہوئی جو اس کے تمام ادوار پر مشتمل ہو اور جسے استناد کا درجہ دیا جا سکے۔

یہی حال اس کی ادبی اور علمی تاریخ کا بھی ہے۔ سندھ پر میر علی شیر قانع ٹھٹوی کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے "مقالات الشعراء" لکھ کر سندھ کے شعراء اور اس کے فارسی ادب کی تاریخ کو محفوظ کر دیا ہے۔

قانع کا دوسرا تاریخی کارنامہ "تحفۃ الکرام" ہے۔ یہ سندھ کی تاریخ کے مختلف پہلوؤں کو ہمارے سامنے لاتی ہے۔ اور اس میں ہمیں اجمالی طور پر مختلف ادوار کے ساتھ ساتھ ہر دور کے شعراء، علماء، صوفیاء اور اہل کمال کے حالات ملتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ یہ اصل کتاب اب بھی ابھی تبرکات میں داخل ہے۔

قانع کے بعد ہمیں ایک اور تذکرہ نگار ملتا ہے، اس کا نام ہے محمد اعظم۔ انھوں نے ۱۱۹۴ھ میں ایک کتاب "تحفۃ الطاہرین" کے نام سے لکھی، جو ان اولیائے کرام کے حالات

پر مشتمل ہے جو ٹھٹھہ اور اس کے مشہور قبرستان "مکلی" میں مدفون ہیں۔ یہ کتاب بھی اب اشاعت پذیر ہوگئی ہے۔ بڑی تلاش و جستجو کے بعد میں نے اس کا ایک قلمی نسخہ بھی دیکھا۔ یہ تذکرہ بھی صرف صوفیائے کرام پر مشتمل ہے اور سندھ کے علماء کے متعلق خاموش ہے۔

ان حالات میں کہ جب سندھ کے علماء کا کوئی مفصل تذکرہ نہیں ملتا۔ اس موضوع پر قلم اٹھانا بہت دشوار ہے۔ لیکن بہرحال مختلف کتابوں میں جستہ جستہ جو سندھ کے عُلماء کے حالات میری نظر سے گزرے انھیں سپردِ قلم کر رہا ہوں۔

سندھ کا پہلا عالم مولانا اِسلامی

مجاہدِ اعظم محمدؐ بن قاسم کے دور میں ہمیں سب سے پہلے سندھ میں جس عالم کا پتہ چلتا ہے وہ مولانا اسلامی تھے۔ "چچ نامہ" میں ان کا تذکرہ مفصّل مذکور ہے۔

مولانا اسلامی دیبل کے رہنے والے تھے، انھوں نے محمد بن قاسم کے زمانے میں اسلام قبول کیا۔ محمد بن قاسم نے ان کے علم و فضل اور ایمانی جسارت کو دیکھ کر انھیں راجہ داہر کے پاس اپنے شامی سفیر کا ترجمان بنا کر بھیجا۔

صاحب "چچ نامہ" لکھتا ہے کہ

> "جب وہ شامی سفیر کے ساتھ داہر کے دربار میں پہنچے تو وہ شاہی آداب جو شرک کی حد تک پہنچتے ہیں، بجا نہیں لائے۔ داہر نے جو انھیں پہلے سے جانتا تھا، ان سے کہا کہ تم شاہی آداب بجا نہیں لائے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے تم پر سختی کی ہے اور اس سے روک دیا ہے۔ مولانا اسلامی نے جواب دیا جب میں تمھارے مذہب پر تھا تو میں یہ تمام رسوم بجا لاتا تھا، اب میں خدا کے فضل سے مسلمان ہوں اور اسلام ان سب چیزوں سے روکتا ہے۔ داہر نے جھنجھلا کر کہا اگر تم قاصد نہ ہوتے تو میں تمھیں ضرور قتل کراتا۔ مولانا اسلامی نے جواب دیا اگر تم مجھے قتل کر بھی دو تو مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں

پہنچ سکتا۔ مگر تم میرے قتل کے بعد مسلمانوں کے اس انتقام سے نہ بچ سکوگے جو انصاف کا تقاضا ہے۔

دُنیا میں قرآن مجید کا پہلا ترجمہ

۲۷۰ھ میں ہمیں ایک اور عراقی عالم کا پتہ چلتا ہے، جو تھے تو عراقی، مگر انھوں نے بچپن ہی سے سندھ کے مشہور شہر "منصورہ" میں پرورش پائی تھی اور سندھ ہی میں پلے اور بڑھے تھے۔

۲۷۰ھ میں مہروک بن رائک ایک ہندو راجہ نے منصورہ کے حاکم عبد اللہ بن عمر سے خواہش کی کہ وہ اسلامی عقاید و تعلیمات کو سندھی میں ترجمہ کرکے بھیجے تاکہ وہ اسلا کی حقیقت کو سمجھ سکے۔ عبداللہ بن عمر ہباری حاکم منصورہ نے انھیں عراقی عالم کا انتخاب کیا۔ انھوں نے ایک قصیدے میں اسلامی عقائد و تعلیمات کو نظم کرکے عبداللہ بن عمر ہباری کے حوالے کیا، جو اس راجہ کو بھیج دیا گیا۔ راجہ اس کو پڑھ کر بہت خوش ہوا اور اس نے منصورہ کے اس عالم کو اپنے دربار میں بلایا۔ یہ اس کے دربار میں پہنچے۔ تین سال تک وہاں رہے اور اس کی خواہش پر باقاعدہ اس زمانے کی سندھی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ لکھ اس کو پڑھایا۔ خیال ہے کہ اس سے پہلے قرآن مجید کا کوئی ترجمہ کسی زبان میں نہیں ہ

سمہ دور میں علمی لحاظ سے سب سے ممتاز دور جام نظام الدین نندا کا سمجھا جاتا ہے۔ یہ ۸۶۶ھ میں مسندِ سلطنتِ سندھ کی زینت بنا۔ تمام مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ جام نظام الدین نہایت نیک دل، انصاف پسند اور ذی علم بادشاہ تھا۔ اس کا اکثر و بیشتر وقت علماء کے ساتھ علمی مباحث میں گزرتا تھا۔

اسی کے دور میں شیراز کے مشہور عالم مولانا جلال الدین محمد دوانی کو خیال پیدا ہوا کہ شیراز سے سندھ آئیں۔ جام نظام الدین کو یہ معلوم ہوا تو اس نے ٹھٹہ کے دو علماء میر شمس الدین و میر معین الدین کو جو مولانا نظام الدین کے شاگرد بھی تھے ان کے لانے کو شیراز بھیجا۔ لیکن ابھی یہ دونوں پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ مولانا جلال الدین کا انتقال ہو گیا۔ یہ دونوں واپس آئے اور ان دونوں علماء نے ٹھٹہ ہی میں وفات پائی۔

۹۲۷ھ میں سموں کی بساطِ سلطنت شاہ بیگ ارغون نے قندھار سے آکر الٹ

ہ خود سندھ کا بادشاہ بنا، شاہ بیگ خود بھی بہت بڑا عالم تھا۔

میر معصوم کا بیان ہے کہ وہ نوجوانی ہی سے علمی کمال کے حصول میں مشغول تھا۔ اور اس کا وقت زیادہ تر علماء کے ساتھ بسر ہوتا تھا۔ وہ خود کئی کتابوں کا مصنف تھا۔

اس کے بعد اس کا بیٹا شاہ حسین ارغون تخت نشین ہوا۔ یہ بھی اپنے علم و فضل کے اعتبار سے اپنے باپ کے نقش قدم پر تھا۔ علوم منقولہ میں خاص مہارت رکھتا تھا۔ علماء صوفیائے کرام کی نہایت قدر کرتا تھا۔ اس لیے اس کے دور میں خصوصیت سے اہل علم کمال بڑی کثرت سے نظر آتے ہیں۔

عہدِ ارغون کے شیخ الاسلام شیخ میرک

ان کا اصل نام تو میر محمود تھا، لیکن یہ مشہور شیخ میرک کے نام سے ہیں۔ شیخ میرک اپنے فضل و سخاوت و زہد تقویٰ کی وجہ سے اپنے عہد میں ممتاز تھے۔ یہ سالہا سال سندھ میں عہدہ شیخ الاسلام پر فائز رہے۔ خود بھی بڑے علم و فضل کے مالک تھے۔ اور علوم و فنون کو ان کی وجہ سے سندھ میں بڑی ترقی ہوئی۔ ان کا دریائے کرم ہمیشہ طالب علموں اور علماء کے لیے موجزن رہتا تھا۔

شیخ میرک نے ۹۶۲ھ میں وفات پائی۔

شیخ عبدالوہاب پورانی

شیخ عبدالوہاب پورانی اور ان کے بھائی میر محمد عہدِ ارغون کے جلیل القدر علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ شیخ عبدالوہاب علم و عمل زہد و ورع کے ساتھ ساتھ شعر فہمی کا بڑا ملکہ رکھتے تھے۔ صاحب تصنیف تھے۔ فقہ میں ان کی کتاب "فتاوی پورانی" مشہور ہے۔

قاضی دتہ سیوستانی

قاضی دتہ سیوستانی بھی اس عہد کے ممتاز عالم ہیں۔ انھوں ابتدائی تعلیم قاضی شرف الدین الملقب بہ مخدوم راہو سے حاصل کی تھی۔ تفسیر و حدیث کا درس مخدوم بلال سے لیا تھا۔ علم جفر اور دوسرے علوم میں بھی بڑا دخل رکھتے تھے۔ حافظہ اتنا اچھا تھا کہ بعض کتابیں تمام و کمال ان کو ازبر تھیں۔

خود میرزا شاہ حسین بادشاہِ وقت نے بھی ان سے بعض علوم میں استفادہ کیا تھا۔

شاہ حسین ان کی بڑی تعظیم و توقیر کرتا تھا۔ اور اپنا بڑا وقت ان کی خدمت میں گزارتا تھا۔

سندھ کے مشہور مؤرّخ صاحب معصومی نے بھی ان سے علمی استفادہ کیا ہے۔

قاضی قاضن

ارغون دور میں قاضی قاضن کو خاص اہمیت اس وجہ سے حاصل ہے کہ انھوں نے اس دور کی سیاست میں بھی حصہ لیا ہے اور اپنے علم و فضل کی وجہ سے بھی ایک بلند مقام رکھتے تھے۔ ان کے آباؤ اجداد ٹھٹہ اور سیوستان میں سکونت رکھتے تھے۔ قاضی قاضن اس لیے کہلاتے ہیں کہ ان کے اجداد میں ایک صاحب کا نام قاضن تھا، اسی اعتبار سے یہ قاضی قاضن کہلانے لگے۔ ان کا علم و فضل ان کے حریفوں کو بھی مسلم تھا۔ تفسیر و حدیث میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور علم فرائض میں تو اس زمانے میں جواب نہیں رکھتے تھے۔ حافظِ قرآن تھے اور فن تجوید میں خوب ماہر تھے۔

شاہ بیگ ارغون کی وفات کے بعد میرزا شاہ حسین ارغون نے ان کو بھکر کے عہدۂ قضا پر فائز کیا۔ مقدمات کے فیصلوں میں احتیاط، امانت، دیانت اور شرعی احکام کو سامنے رکھتے تھے۔ بڑھاپے میں اس عہدہ سے خود مستعفی ہوگئے اور ۹۵۸ھ میں انھوں نے وفات پائی۔

قاضی شیخ محمد اوچہ

قاضی محمد اوچہ ارغون دور میں ٹھٹہ کے قاضی تھے۔ اوچہ سے آکر بھکر میں متوطن ہوئے اور اپنے علم و فضل کی بدولت ٹھٹہ کی قضاۃ کے منصب پر سرفراز ہوئے۔ علوم دینیہ میں غیر معمولی کمال رکھتے تھے۔

ان کا خاندان اب بھی ٹھٹہ میں موجود ہے۔ میرزا عیسیٰ ترخان کی حکومت کے زمانے میں انھوں نے وفات پائی۔

۹۶۲ھ میں میرزا شاہ حسین ارغون نے وفات پائی اور سندھ کی عنانِ حکومت ترخانیوں کے ہاتھ آئی۔ ہمیں ترخانی عہد میں بھی کافی علماء کا تذکرہ ملتا ہے۔

میرک عبدالباقی و میرک عبدالرحمٰن

اس دور کے علماء میں

...رک عبدالباقی اور میرک عبدالرحمٰن خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں - یہ دونوں شیخ پورانی ...ے صاحبزادے ہیں۔

میر معصوم کا بیان ہے کہ یہ دونوں بھائی علوم و فنون و صنعت گری میں یگانۂ روزگار ...ے - خصوصًا میرک عبدالباقی تمام علوم میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ خصوصًا علمِ ہیئت و حکمت ...ں تو ان کا اس دور میں جواب نہ تھا۔

میرک عبدالباقی نے ۹۸۳ھ میں اور میرک عبدالرحمٰن نے ۹۹۱ھ میں وفات پائی۔

میرزا عیسیٰ ترخان کے زمانے میں سندھ کی حکومت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ سندھ ...ے ایک حصہ پر میرزا عیسیٰ ترخان قابض ہوا اور دوسرے پر سلطان محمود خان بھکری، جس کا دارالسلطنت بھکر تھا۔ سلطان محمود خان بھکری نے ۹۸۲ھ میں وفات پائی۔ اس کے عہد کے علماء میں بھی بعض علماء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

قاضی داؤد

قاضی داؤد سیوستان کے کسی موضع کے رہنے والے تھے۔ سلطان محمود خان نے ان کے علمی تبحر و قابلیت کو دیکھ کر ان کو بھکر کا قاضی بنایا۔

قاضی داؤد اپنے علم و فضل کے اعتبار سے یگانۂ روزگار تھے۔ وہ دیانت، امانت و پرہیزگاری میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔

قاضی داؤد نے ۹۵۱ھ میں بھکر میں وفات پائی۔

مولانا عبداللہ مفتی

مولانا عبداللہ مفتی تھے تو ملتانی الاصل لیکن انھوں نے آخر میں بھکر میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ علوم دینیہ و علومِ عقلیہ میں غیر معمولی کمال رکھتے تھے۔ انھوں نے ۹۷۰ھ میں وفات پائی۔

مخدوم رحمت اللہ

مخدوم رحمت اللہ ٹھٹہ کے رہنے والے تھے۔ وہ غیر معمولی علم و فضل کے مالک تھے۔ ان کے تبحر علمی کی شہرت عالمگیر کے کان میں پہنچی تو انھیں ٹھٹہ سے بلوایا۔ جب یہ دربار میں پہنچے تو ان کے فضائل علمی کا اندازہ کرنے کے لیے ان کے سامنے تفسیر بیضاوی پیش کی گئی اور ان سے پوچھا گیا کہ یہ کیسی کتاب ہے؟

مخدوم رحمت اللہ نے کتاب کھولی اور یہ کہہ کر واپس کر دی کہ غلط ہے۔

دربار میں اس وقت عنایت اللہ خان موجود تھے۔ انھوں نے اعتراضاً کہا کہ یہ
دربار ہے اور بادشاہ کے حضور میں اس قسم کی گستاخی مناسب نہیں۔ مخدوم رحمت ا
نے سینہ پر ہاتھ رکھ کر شاہی تعظیم بجالاتے ہوئے کہا کہ میں خود کتاب ہوں۔
غالباً یہ اس طرف اشارہ تھا کہ یہ کتاب ان کو حفظ یاد ہے۔ اس سے عالمگ
ان کے غیر معمولی متبحر عالم ہونے کا اندازہ ہوا۔

میر عبدالرشید

میر عبدالرشید ٹھٹہ کے رہنے والے اور اپنے
کے جلیل القدر عالم شمار ہوتے تھے۔ انھوں نے متعدد کتابیں لکھیں جن میں
فرہنگِ رشید عربی اور فرہنگ رشید فارسی اہلِ علم میں بہت مقبول ہوئیں۔
میر علی شیر قانع صاحب مقالات الشعر کا بیان ہے کہ یہ دونوں کتابیں ان
تبحرِ علمی کی شاہد صادق ہیں۔

مولانا عبدالباسط

یہ ٹھٹہ کے رہنے والے تھے اور علم و فضل
بلند مقام رکھتے تھے۔ چاہتے تھے کہ شاہی دربار سے کوئی مناسب خدمت ان
لیکن عالمگیر کو یہ پسند نہ تھا کہ علماء کو ملازم رکھا جائے۔ اس لیے ایک عرصہ تک
یہ تمنا پوری نہ ہوسکی۔
لیکن ایک موقع پر شاہ عالمگیر نے جب دکن کے ایک قلعہ کو فتح کیا تو انھو
قرآن مجید کی آیت سے یہ تاریخ پیش کی۔

هٰذَا عَطَاۤءُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝

۱۱۱۶ھ

عالمگیر نے اس تاریخ کو سُن کر غیر معمولی تعریف کی اور کہا کہ میر تیمور کی فتح کی
اس آیت سے نکالی گئی تھی:۔

غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِیْۤ اَدْنَى الْاَرْضِ

تاریخ گوئی کی دنیا میں یہ پہلی تاریخ تھی جو قرآن مجید سے نکالی گئی۔ اب یہ دوسر
ہے جو قرآن مجید کی آیت سے حاصل کی گئی۔ عالمگیر نے خوش ہوکر ان کا تقرر ٹھٹہ کا

کے کسی اہم عہدہ پر کردیا۔

قاضی ابراھیم ٹھٹوی یہ مختلف علوم وفنون میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ ابتداءً دہلی میں مفتی اور لشکر کے قاضی رہے۔ بعد میں ٹھٹہ کے امین الملک کے عہدے پر فائز کیے گئے۔

انھوں نے ٹھٹہ آنے سے قبل، ٹھٹہ میں ایک حویلی اپنے رہنے کے لیے تعمیر کروائی جس پر پچاس ہزار روپے صرف ہوئے۔ حویلی تعمیر ہو چکی تو یہ ٹھٹہ پہنچے۔ حویلی کو دیکھ کر نہایت ناپسند کیا۔ اور منتظمین سے برہم ہو کر کہا کہ تم کو اس کی تعمیر کے وقت اس کا بھی اندازہ نہیں ہوا کہ اس میں کون رہے گا۔ یہ تو بیت الخلاء بنانے کے بھی قابل نہیں۔

قانع نے اس واقعہ کو مقالات الشعراء میں نقل کر کے لکھا ہے کہ اس واقعہ سے قاضی صاحب کی عالی دماغی کا اندازہ ہوتا ہے۔ آج بھی اس حویلی کے کھنڈر موجود ہیں جیسا کہ عرفی نے کہا ہے ؎

از نقش ونگار در و دیوار شکستہ
آثار پدید ست صنادید عجم را

سندھ کے علماء کا یہ تذکرہ بالکل اجمالی اور غیر مرتب ہے۔ ورنہ سندھ ہر دور میں علم وفضل کا گہوارہ رہا ہے۔

ضرورت اس کی ہے کہ سندھ کے عہد حاضر کے اہل قلم و مصنفین سندھ کی تاریخ کے ہر دور کی چھان بین کر کے سندھ کے علماء کا مبسوط تذکرہ مرتب کر کے شائع کریں اور اس کمی کو پورا کریں جو سندھ کے علمی لٹریچر میں نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہے۔